© rasailojaraid.com

کہ طبعی عرصۂ حیات ۱۱۵ برس ہوسکتا ہے بشرطیکہ انسان کو طبعی اور جذباتی "تھک جسم" سے محفوظ رکھا جاسکے۔

جامعہ کولمبیا کے ڈاکٹر ہنری سمس نے حساب لگایا ہے کہ اگر جسم انسانی میں مرض کا مقابلہ کرنے اور بدل ما یتحلل کی وہ قوت باقی رہے جو دس برس کی عمر میں اس کو حاصل ہوتی ہے تو اس کی مدتِ حیات ۷۰۰ برس تک ممتد ہوسکتی ہے اور بعض افراد ۲۲ ہزار برس تک زندہ رہ سکتے ہیں۔

موت کی نوعیت پر یہ "تحقیق انیق" تو جاری رہے گی لیکن ہم اس امر سے صرفِ نظر نہیں کرسکتے کہ اس کرۂ ارضی پر رہنے والوں میں سے اکثر کے لئے سوال یہ نہیں ہے کہ وہ صدیوں تک زندہ رہ سکیں گے یا نہیں بلکہ بڑا سوال یہی ہے کہ وہ 'کل' بھی زندہ رہیں گے یا نہیں۔

امریکہ کے ایک محکمہ نے ۱۹۵۰ء میں یہ رپورٹ شایع کی تھی کہ مصر اور ہندوستان جیسے ملکوں میں اوسط عرصۂ حیات کوئی ۳۰ برس ہے۔ ان ملکوں میں ۴۵ فی صد بچے ۱۵ برس کی عمر کو پہنچتے ہیں اور اعظم معاشی پیداآوری کے دور میں داخل ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ان ۴۵ میں سے صرف پندرہ کام کے قابل رہتے ہیں باقی یا تو مرجاتے ہیں یا پھر بے کار ہوجاتے ہیں حالانکہ کام کاجی زندگی ۶۰ برس تک مانی جاتی ہے۔ دوسرے ملکوں میں جو صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ ہیں ۹۲ فی صد بچے ۱۵ برس کی عمر کو پہنچتے ہیں۔ ان میں سے ۷۰ بچے ۶۰ برس کی کام کاجی مدت تک پہنچتے ہیں۔

شرحِ اموات کو گھٹانا ضروری ہے کیونکہ آبادی میں اضافہ سے پیداآور ذرایع میں بھی اضافہ ہوگا۔

عالمی ادارۂ صحت (ورلڈ ہیلتھ آرگنیزیشن) کا کہنا ہے کہ معاشی اور معاشرتی اصلاح کے ساتھ انسانوں کی زندگیاں زیادہ پُرلطف اور طویل ہوں گی۔ ان کو زندگی کا بھرپور حصہ ملے گا اور ناچیز پیرامیسیم کا مطالعہ انسان کو "بقا" عطا کردے گا۔

ن-ا-ع

© rasailojaraid.com